KitaabPoint.blogspot.com

''بھائی مجید الحسینی' یہ شہر رہنے کے قابل نہیں رہا۔ اب نہ یہاں عزت محفوظ ہے' نہ جان کی سلامتی ہے۔''

''ہاں کم از کم شریفوں کے رہنے کے قابل تو نہیں رہا۔''

''حد ہے جواد صاحب جیسا شریف آدمی جو نہ کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ ارے بابا' یہ تمہارے اپنے سیاسی جھگڑے ہیں۔ تم ایک دوسرے کا سر پھوڑو' ایک دوسرے کی گردنیں کاٹو۔ ہم تو تمہارے کسی قضیئے میں شامل نہیں ہیں۔ ہم پر کیوں زندگی حرام کرتے ہو۔'' اور اچانک آقا حسن صاحب کا لہجہ بدلا۔ ''ارے ہم نے یہ کیا ذکر شروع کر دیا۔ مریض کو زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہئے' آرام کرنے دیں۔'' اور ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اصل میں انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ میری آنکھیں بار بار مندنے لگتی ہیں اور میں زبردستی آنکھیں کھلی رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

''ہاں بھین آرام کرو' زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس سو جاؤ۔''

بشو بھابی نے چلتے چلتے کہا۔

سو جاؤں' نیند کہاں' جگنوؤں بھرا اندھیرا پھر آہستہ آہستہ امنڈ رہا ہے مگر جگنو دور دور اڑ رہے ہیں۔ اس وقت تو بالکل میرے آس پاس اڑ رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کسے چھوڑوں اور کیسے پکڑوں۔ مگر اس وقت جیسے حافظہ جواب دے رہا ہو۔ نہیں حافظہ کو زائل نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے یاد آنا چاہئے..... کیا یاد آنا چاہئے..... کچھ بھی..... ''پاکستان آ گیا۔'' اندھیرے میں ایک مسرت بھری آواز۔

''اچھا پاکستان آ گیا۔'' پورے ڈبے میں خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ سہمے سکڑے لوگوں میں زندگی کی ایک لہر سی دوڑ جاتی ہے۔ ایک کے اوپر ایک' ہر ایک کی کوشش یہ ہے کہ کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھے کہ پاکستان کیسا ہے۔ بھلا رات کے اندھیرے میں کیا نظر آئے گا۔ ٹھیک ہے کہ رات ڈھل چکی ہے' پچھلا پہر ہے' صبح ہونے کو ہے۔ پھر بھی اچھا خاصا اندھیرا ہے۔ گاڑی کی رفتار دھیمی ہو گئی ہے' ہوتی چلی جا رہی ہے۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔''

''اے میا' خدا خدا کر کے پاکستان آیا ہے۔ دل میں ہولیں اٹھ رہی تھیں۔ رستے بھر جل تو جلال تو پڑھتی آئی ہوں۔''

''اے بہنو' کیا پوچھو ہو۔ سارا رستہ اس طرح کٹا ہے کہ جان حلق میں اٹکی ہوئی تھی۔ جالندھر کے سٹیشن پہ دیکھا تھا۔ کیسے بھوت سے کھڑے تھے۔ ایک کلموئے نے بندوق ایسے پکڑی ہوئی تھی کہ نال سیدھی میری طرف۔ میں تو ہول گئی کہ اب آئی گولی۔ بس میں

KitaabPoint.blogspot.com

نے آیۃ الکرسی پڑھنی شروع کردی۔ اللہ کے کلام میں بڑی برکت ہے۔ فوراً ہی ریل چل پڑی۔ میں نے کہا' اللہ تیرا شکر ہے۔''

''اماں! اب گولی کی بات مت کرو' پاکستان آ گیا ہے۔ یاں تمہیں کوئی بندوق نہیں دکھائے گا۔''

''شکر ہے خوف کی سرزمین سے ہم نکل آئے ہیں۔'' ایک سفید ریش بزرگ بڑبڑاتے ہیں پھر کلمہ کا ورد کرنے لگتے ہیں۔

''عجب حالات تھے' نہ جان محفوظ نہ عزت محفوظ۔''

''شکر ہے کہ ہم جانیں اور عزت بچا کر لے آئے ہیں۔''

''بس اللہ پاکستان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔''

''آمین!''

''ارے میا' میرا تو دل ابھی تک کانپ رہا ہے۔''

''اماں' اب آپ کا دل کیوں کانپ رہا ہے اب تو پاکستان آ گیا ہے۔ یاں آپ کو کس بات کا کھٹکا ہے۔''

''بڑی بی!'' کسی نے بلند آواز سے کہا۔ ''پاکستان دارالامان ہے۔''

اچانک کوئی اونچی آواز سے کہتا ہے۔ ''پاکستان'' اور پورے ڈبے والے مل کر نعرہ لگاتے ہیں۔ ''زندہ باد!''

''اماں' دن کیا ہے؟''

''جمعہ لگ چکا ہے۔''

''مبارک دن ہے۔''

''اے میاں' چاند کی کونسی ہے۔''

''ذی الحج کی آج 9 ہوگئی۔ اب کے حج اکبر ہے۔''

''تاریخ بھی مبارک ہے۔''

پھر کھانچا' بعد کی کوئی بات یاد نہیں آ رہی۔ 9 ذی الحجہ بروز جمعہ' وقت صبح صادق' پاکستان میں آمد مبارک' آ گے؟ کتنا یاد کر رہا ہوں۔ کچھ یاد نہیں آ رہا۔ دن' مہینے' سال۔ کوئی ساعت' کوئی تقریب۔ کچھ یاد نہیں آ رہا۔ یا اللہ میرے حافظہ کو کیا ہوا جا رہا ہے۔ کوئی تقریب خوشی کی' کوئی موقعہ غمی کا' کچھ تو یاد آنا چاہئے۔ کچھ بھی یاد نہیں آ رہا۔ حافظہ کی لوح صفا چٹ ہے۔ یا اللہ' بسر ہونے والے اتنے میرے شب و روز کہاں گئے۔ سب کہاں جا چھپے۔ اتنے سارے برس تھے۔ ایک پوری عمر تھی' کیا واقعی مجھے گولی لگی تھی مگر کیا ایک گولی

KitaabPoint.blogspot.com

ان سب کو کھا گئی۔ کیسی گولی تھی کہ اتنے بہت سے برسوں کو' خوشی اور غمی کی سب ساعتوں سمیت ایسے چاٹ گئی جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ کیا ایسا بھی ہوتا ہے۔ سوچتے سوچتے مجھے یاد آتا ہے کہ پہلے بھی میرے ساتھ یہ ہو چکا ہے۔ ایسے ہی میری ایک پوری عمر گم ہوئی تھی۔ وہ سارے شب و روز' وہ صبحیں اور شامیں' لمبی دوپہروں کا وہ پوار سلسلہ' وہ ساری رتیں مگر یہ بھی تو ہوا کہ پھر اسی شدت کے ساتھ شب و روز کا وہ پورا قافلہ واپس بھی آیا۔ گم ہو جاتا تو شاید میں امن میں رہتا۔ مگر وہ سارے شب و روز پلٹ آئے۔ اسی طرح زندہ تھے۔ زیادہ زندہ ہو گئے۔ عجب بات ہے۔ اس وقت میری عمر ہی کیا تھی۔ وہ شب و روز کون سے لمبے چوڑے تھے۔ بس چند دوپہریں' چند جھٹپٹی صبحیں اور شامیں مگر انہوں نے میرے اندر اتر کر کیسا رنگ پکڑا اور کتنی نشوونما کی کہ لگتا اجلی صبحوں اور دھواں دھواں شاموں کی وہ پوری ایک صدی ہے۔ ماہ و سال کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ ٹھکانے سے برتی ہوئی چند گرم دوپہریں اور چند ٹھنڈی مہکتی صبحیں اور چند اداس شامیں ایک پورا زمانہ بن جاتی ہیں۔ اپنے اندر اتنا کچھ لئے ہوتی ہیں کہ ماہ و سال میں مقید نہیں رہتیں' پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ کمال ہے' پورا وجود مر جاتا ہے' مگر کوئی ایک ریزہ اس سے ٹوٹ کر اس طرح متحرک ہوتا ہے کہ وجود سے بڑھ کر وجود بن جاتا ہے۔ اسی طور ایک دور ختم ہو جاتا ہے' ایک عمر ختم ہو جاتی ہے۔ مگر اس کی چند دوپہریں' چند صبحیں' چند سہانی یا اداس شامیں پھیل کر صدیاں بن جاتی ہیں۔ اے لو جگنو پھر اڑتے دکھائی دے رہے ہیں۔ جیسے چڑیاں دانہ چگتے چگتے ذرا سے کھٹکے سے پھر سے اڑ جاتی ہیں۔ لگتا ہے کہ گئیں' دور نکل گئیں مگر کوئی دم جاتا ہے کہ پھر واپس آ جاتی ہیں۔ تو یادیں امنڈ گھمنڈ واپس آ گئی ہیں۔ مجھ پر چھاتی چلی جا رہی ہیں۔ ہاں وہ جو میں بیچ میں سے بھول گیا تھا' وہ کیا بات تھی۔ اب تو وہ بات یاد آ جانی چاہئے کہ کب کب کی بھولی بسری باتیں ایک دم سے یاد آ گئی ہیں۔ ہاں شاید یہ اس زمانے کی بات ہے جب رات کا پچھلا پہر آ جاتا تھا اور کہانی ختم نہیں ہوتی تھی۔ پھوپھی اماں اگلی رات پر ٹال کر ہمیں زبردستی سلاتیں۔ کہانی کئی کئی رات چلتی۔ آخر پھوپھی اماں اسے ختم کرنے میں کامیاب ہوتیں۔ کہنے والے کا بھلا' سننے والے بھلا' جس نے نہیں کہا اور جس نے نہیں سنا اس کا بھی بھلا' سب کا بھلا۔ اب بیٹے سو جاؤ۔ میمونہ تو بھی سو جا بہت رات ہو گئی ہے۔ گیدڑ بول رہے ہیں۔

''پھوپھی اماں! یہ گیدڑوں کی آواز ہے؟'' یہ منن کی آواز ہے تو پھر منن آ گیا۔

''ہاں بیٹے! بہت رات ہو گئی ہے' گیدڑ بول رہے ہیں۔''

دور سے آتی ہوئی گیدڑوں کی آوازوں سے اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگتا ہے۔ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں یہاں نہ آ جائیں ''پھوپھی اماں' یہ گیدڑ کہاں بول رہے ہیں۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''میں بتاؤں کہاں بول رہے ہیں؟'' میمونہ ڑ سے بول اٹھتی ہے۔ ''بھونڑ پہ بول رہے ہیں۔''

''جھوٹی۔''

''لو مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس دن جب ہم بھونڑ پہ گئے تھے تو وہاں ایک بھٹ دیکھا تھا نا' وہ گیدڑوں کا تھا۔''

''اس وقت تو وہاں کوئی گیدڑ نہیں تھا۔''

''بیٹے گیدڑ رات کو نکلتے ہیں۔''

''دن میں کہاں چھپے رہتے ہیں۔''

''میں بتاؤں۔'' میمونہ پھر بول اٹھتی ہے۔

''بڑی آئی بتانے والی' تجھے کیا پتہ۔''

''اچھا لڑو مت' بہت رات ہوگئی ہے' سو جاؤ۔'' اور پھوپھی اماں نے کروٹ لے کر ترت کے ترت خراٹے بھی لینے شروع کر دیئے ہیں۔ پھوپھی اماں نے جہاں کہانی ختم کی انہیں نیند آئی۔ ان کے خراٹوں کی آوازیں۔ دور سے آتی گیدڑوں کی آوازیں۔ ان سے پرے کہیں دور سے آتی ہوئی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں۔ اسے ڈر لگنے لگتا ہے۔ ''میمونہ' او میمونہ!'' لو میمونہ بھی سو گئی۔ جیسے کوئی نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ کتوں اور گیدڑوں کے بیچ جو اس کے گرد دائرہ بنا کر بھونک رہے ہیں' چلا رہے ہیں۔ دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

''جواد' سو رہے ہو۔''

''ہوں' نہیں..... منن غائب۔ پھر میں تھا اور پھر وہی مجو بھائی۔''

''سونے کی کوشش کرو۔''

''مگر مجو بھائی' یہ آج گیدڑ اتنا کیوں بول رہے ہیں۔''

''گیدڑ' یار گیدڑ یہاں کہاں؟ وہم میں مت پڑو' سو جاؤ۔''

کیسے سو جاتا' دماغ نہیں سو رہا تھا۔ اندر چرخی سی چل رہی تھی۔ ہمارا تمہارا خدا بادشاہ! کسی ملک میں تھا کوئی بادشاہ۔

''نہیں پھوپھی اماں' وہ کوے اور مینا والی کہانی۔''

''یار جواد' دیکھو یہ رفیق صاحب آئے ہیں۔''

KitaabPoint.blogspot.com

جگنو پھر تتر بتر ہو گئے۔ کتنی مشکلوں سے میں نے ایک مرتبہ پھر آنکھ کھولی۔ دھندلی دھندلی دو شکلیں نظر آئیں۔ ایک تو مجو بھائی تھے جنہیں میں اب تک صرف آواز سے پہچان رہا تھا۔ اب چہرہ نظر آیا اور دوسرا چہرہ' ہاں ٹھیک ہے۔ یہ رفیق صاحب ہیں۔

''جواد صاحب' کیا حال ہے؟''

سن لیا' اتنی سکت کہاں تھی کہ جواب دیتا۔ رفیق صاحب نے بھی رسماً ہی پوچھا تھا۔ انہیں بھی پتہ تھا کہ میں اس وقت جواب دینے اور بات کرنے سے قاصر ہوں۔ سو وہ فوراً ہی مجو بھائی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مجو بھائی انہیں میرا حال بتا رہے تھے۔ ''یار' شروع میں تو موصوف بالکل ہی بہکے ہوئے تھے اور کسی کی بات تو جانے دو' مجھے تک نہیں پہچانا۔ میں نے پوچھا کہ کچھ یاد ہے گولی کیسے لگی تھی۔ حیران ہو کر پوچھا کہ گولی؟ کیسی گولی۔ خیر وہ کیفیت تو اب نہیں ہے۔ لوگوں کو کچھ کچھ پہچاننا شروع کر دیا ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ حالت سنبھل رہی ہے۔''

''ہاں کسی قدر سنبھلی تو ہے مگر اب بھی یہ حالت ہے کہ سیدھی بات کرتے کرتے اچانک بیچ میں کوئی اٹمل بے جوڑ بات آ جاتی ہے۔ دو فقروں میں ربط ہوتا ہے' تیسرے فقرے پر آ کر کوئی ایران کی کوئی توران کی۔''

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟''

''واضح طور پر کچھ نہیں بتاتے۔ کہتے ہیں آپریشن کے بعد صحیح کیفیت سامنے آئے گی۔''

''ٹھیک کہتے ہیں۔ پہلے تو گولی تو نکل جائے۔ ویسے کوشش یہ کرنی چاہئے کہ وہ واقعہ انہیں کسی طرح پورے طور پر یاد آ جائے۔''

اور پھر روئے سخن میری طرف ہو گیا۔ ''جواد صاحب!''

میں نے ایک مرتبہ پھر کوشش کر کے آنکھیں کھولیں۔

''جواد صاحب!'' رفیق صاحب کہہ رہے تھے۔ ''میں تو آپ کو بینک میں بیٹھا چھوڑ کر گیا تھا۔ آپ کو اور آپ کے ساتھ مرزا صاحب کو۔ آپ کس وقت وہاں سے نکلے۔ یہ واقعہ کہاں ہوا اور کس وقت۔''

یہ واقعہ کہاں ہوا اور کس وقت' میں دل ہی دل میں بڑبڑایا مگر کون سا واقعہ؟ میری آنکھیں پھر مند گئی تھیں۔ ساتھ ہی دماغ میں جیسے ہنڈیا پکنے لگی ہو۔ کون سا واقعہ؟ بار بار سننے کے بعد اب مجھے بھی محسوس ہو رہا تھا کہ میرے ساتھ کچھ ہوا ضرور ہے مگر کیا ہوا ہے؟ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں اپنے حافظہ سے لڑنے لگا۔ ایک کشتم کشتا حافظہ کے ساتھ شروع ہو گئی تھی۔ اس اڑیل سے میں نے کتنا کچھ اگلوا لیا تھا۔ اگلی پچھلی کتنی بہت سی باتیں یاد آ گئی تھی۔ مگر ایک موڑ پر آ کر وہ اڑ جاتا تھا۔ کس کس زمانے کی باتیں یاد آئیں مگر جو واقعہ

KitaabPoint.blogspot.com

اب ہوا تھا وہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ اب؟..... میں سوچ میں پڑ گیا' آخر کب؟..... اور اب میری سمجھ میں ایک بات آئی۔ بس میں نے طے کیا کہ رفیق صاحب نے صحیح سمجھائی ہے۔ مجھے براہ راست اس واقعہ کو نہیں بلکہ اس وقت کو یاد کرنا چاہئے۔ اگر وہ وقت اور ساتھ میں وہ جگہ بھی یاد آ جائے تو واقعہ خود بخود یاد آتا چلا جائے گا۔ تو وہ کون سا وقت تھا..... ''یہ ماچس کس نے جلائی ہے' بجھاؤ..... بجھاؤ۔'' اندھیرے میں غصیلی آوازیں۔ ''بہت سگریٹ پینے کا شوق ہے۔ چاہے سگریٹ کے پیچھے جان چلی جائے۔''

''ایک جان تھوڑا ہی جائے گی۔ ساتھ میں یہ سگریٹ پینے والے ہمیں بھی مروائیں گے۔''

''بالکل' اندھیرے میں سگریٹ کی یہ ننھی سی روشنی دور سے دکھائی دیتی ہے۔ گولی اس کی سیدھ میں آئے گی۔''

''ہائے اللہ!'' ایک بوڑھیا کی خوف سے بھری آواز۔ ''اے بیٹو' اس وقت تو سگریٹ مت پیو۔ اللہ کو یاد کرو.....'' بڑبڑاتی ہے۔ ''جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔''

''اے میں نے کہا کہ ان بخت ماروں نے بیچ جنگل میں گاڑی کھڑی کر دی ہے۔ اتنی دیر ہو گئی' چلاتے کیوں نہیں۔'' ایک دوسری نسوانی آواز۔

''اماں چپکی بیٹھی رہو۔ کوئی بات ہے جب ہی گاڑی رکی ہے' بس دعا کرو۔''

''ارے دعا تو کر رہی ہوں۔ پوری آیۃ الکرسی پڑھی ہے۔ اے بھیا پاکستان اب کتنی دور ہے۔''

''پچھلی سپیشل پہ اسی جگہ حملہ ہوا تھا۔ پوری گاڑی کٹ گئی تھی' بس اللہ رحم کرے۔''

''بھئی کسی کے پاس گھڑی ہے' کیا وقت ہو گا؟''

''دو بج کر بارہ منٹ!''

''اچھا' ابھی صرف دو ہی بجے ہیں۔ ابھی تو بہت رات پڑی ہے۔''

''یہ رات کچھ زیادہ ہی لمبی ہو گئی۔''

تو وہ سوا دو بجے کا وقت تھا۔ صبح ابھی دور تھی۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا۔ کبھی کبھی روشنی کی جھلک دور کے درختوں پر اس طرح نظر آتی جیسے بجلی چمکی ہو۔

''ارے بھیا! یہ روشنی کیسی ہے۔ میرے منہ میں خاک' کلموئے حملہ کرنے والے تو نہیں ہیں۔''

''نہیں اماں' یہ ملٹری گارڈ والے ہیں۔ سرچ لائٹ سے دیکھ رہے ہیں کہ کہیں کوئی ہے تو نہیں۔''

KitaabPoint.blogspot.com

گاڑی کو جنبش ہوئی۔ ''گاڑی چلنے لگی ہے۔'' اطمینان بھری آواز۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔'' بوڑھی اماں کی اطمینان بھری آواز۔

میں نے ہڑبڑا کر اپنے آپ کو روکا۔ یہ میں کہاں نکل گیا۔ مجھے جلد ہی خیال آ گیا کہ میں بہک گیا ہوں۔ یہ اس وقت کی بات نہیں ہے۔ خطرہ تو بہت تھا مگر حملہ نہیں ہوا تھا۔ سگریٹ پینے والوں نے ایک مرتبہ نہیں اسی دوران جب سپیشل بیچ جنگل میں رک کر کھڑی ہوگئی تھی اور سب کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے تھا کئی مرتبہ ماچس جلائی تھی اور سگریٹ سلگائی تھی مگر ادھر کوئی گولی نہیں آئی۔ تو' میں نے سوچا' یہ اس وقت کی بات تو نہیں ہے۔ پھر کس وقت کی بات ہے' کب کی؟ میں اپنے حافظہ سے لڑ رہا تھا اور دھیان بھٹک کر کہاں کہاں جا رہا تھا..... ''منن' اومنن' سانپ!''

''جھوٹی۔''

''سچی' وہ..... وہ' ادھر جھاڑی کے برابر میں..... اوئی..... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''ابھی اینٹ سے مارتا ہوں۔''

''نہیں' منن نہیں۔ کاٹ کھائے گا۔''

آ گے؟ پھر کیا ہوا..... پھر کیا..... ہوا..... یہ میں کہاں نکل آیا۔ میں حیران ہوا اور پھر جلدی ہی میں نے اپنے آپ کو روکا۔ یہ تو اس وقت کی بات ہے جب میں منن تھا اور میمونہ..... خیر میمونہ تو میمونہ ہی تھی اگرچہ کبھی کبھی پھوپھی اماں اسے مموں کہہ کہ پکارتی تھیں۔ مگر میاں جان فوراً ٹوکتے۔ ''بہن' کیوں ہماری بیٹی کا نام بگاڑ رہی ہو۔ اتنا تو خوبصورت نام ہے۔'' بہرحال میں ان دنوں منن تھا اور یہ دھیان کر کے مجھے کتنا تعجب ہوا۔ وہ تو مجھ سے بالکل مختلف تھا۔ جیسے کوئی اور ہی آدمی ہو۔ یا میں نے سوچا' میں کوئی اور آدمی ہوں۔ جیسے وہ اور قالب تھا اور اب میں اور قالب میں ہوں اور اچانک مجھے ایک شک نے آ لیا۔ ایک تشویش بھرا شک۔ کہیں میں بھی آدمی سے..... ''پھوپھی اماں' جان عالم تو آدمی تھا۔ بندر کیسے بن گیا۔''

''عقل پہ پتھر جو پڑ گئے تھے۔ بخت مارے کو عقل آئی بھی تو بندر بننے کے بعد آئی۔ پھر تو اس نے ایسی تقریر کی کہ کیا کوئی آدمی کرے گا۔ مغز سے اتار کے ایسی ایسی باتیں کیں کہ دنیا دنگ رہ گئی۔''..... خلقت حیران' حاکم پریشان کہ اے لو بندر بھی کلام کرتا ہے اور ادھر ملکہ نے طوطے کی گردن مروڑ پنجرا باہر نکالا' بندر سوداگر کی گود میں لیٹ طوطے کے قالب میں پرواز کر آیا۔ طوطا پھڑکا' ملکہ کا خوشی سے دل دھڑکا۔ پنجرہ اندر کھینچ لیا۔ سب نے متفق ہو یہی کہا' بسکہ بندر عقیل تھا' یہ پیام طلب کوس رحیل تھا' اپنا قتل جو ثابت ہوا

KitaabPoint.blogspot.com

خوف سے مر گیا' داغ تقریر ہمارے صفحہ دل پہ دھر گیا۔ پھر ملکہ مہر نگار نے وزیر زادے سے کہا۔ ''ایک بکری کا بچہ خوبصورت سا ہمیں بھیج دو۔ پالیں گے' رنج کو ٹالیں گے۔'' یہ بچہ بہت خوش ہوئے۔ اسی وقت بر بری کا بچہ تحفہ بھجوا دیا۔ تب ملکہ نے پنجرہ اس ہمائے اوج سلطنت کا پلنگ کے پاس رکھ لیا۔ جب وہ نابکار روبرو آیا' تب ملکہ نے بچے کو گود میں اٹھا کے اس زور سے دبایا کہ وہ مر گیا۔ اس کا مرنا' اس کا نالہ وفریاد کرنا۔ کارخانے مسبب الاسباب کے مشہور و معروف ہیں۔ وہ پلنگ پر لیٹا' اپنی روح بکری کے بچے کے قالب میں لایا۔ سوچا' دو گھڑی ملکہ کی طبیعت بہل جائے' پھر روح اپنے قالب میں لے جاؤں گا۔ مطلب تو نکل آئے۔ یہ نہ سمجھا فلک کی گھات ہے' فریب کی بات ہے' چرخ کو کچھ اور چکر منظور ہے' اب اس جسم کے نزدیک جانا بہت دور ہے۔ القصہ یہ تو ادھر اس خیال میں رہا' ادھر شہزادہ جان عالم پنجرہ سے یہ تماشا دیکھتا تھا۔ قالب کو خالی پایا۔ فوراً اپنی روح اپنے جسم میں لایا۔ منہ سے الا اللہ کہا' اٹھ کھڑا ہوا..... اچھا پھر..... تو پھر..... آگے یاد نہیں آ رہا تھا۔ اسی یاد نہ آنے نے مجھے اپنی اس رو سے باہر آنے میں مدد دی۔ ذہن کون سے رستے پہ پڑ لیا۔ یہ تو کہانی ہے' میں نے سوچا اور میں واقعہ کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا یا اس وقت کو جب وہ واقعہ' جو بھی واقعہ تھا..... خیر' کب کی سنی ہوئی اور کب کی پڑھی ہوئی کہانی کب یاد آئی ہے۔ میں حیران ہوا خیر پڑھی تو بہت بعد میں تھی' پہلے تو سنی تھی۔ شہزادہ جان عالم کی کہانی' پھوپھی اماں کی زبانی۔ بندر ہاتھی پہ سوار ہے اور تقریر کر رہا ہے' ایسی تقریر کہ وہ ہنستا ہے تو لوگ ہنستے ہیں' وہ روتا ہے تو لوگ روتے ہیں۔ اتنے لوگ' ایک پوری خلقت' ایک بندر کے اشاروں پر ناچ رہی ہے۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے' میں یوں ہی سوچنے لگا' جانے کون بندر کب ہاتھی پہ سوار ہو کر تقریر کرنی شروع کر دے اور لوگ اس کا کلمہ پڑھنے لگیں۔ بندر کو' میں نے سوچا' اپنے مقام پر رہنا چاہئے اور آدمی کو اپنے جامے میں بلکہ اپنی کھال میں۔ بندر جب ہاتھی پہ بیٹھ جائے اور آدمی کھال میں نہ رہے اور قالب بدل لے تو..... مگر خیر جان عالم اپنی کھال میں نہ رہنے کی سزا بھگت کر مر پٹ کر' سبق سیکھ کر' اپنے قالب میں واپس آ گیا تھا۔ مگر ہر کوئی واپس نہیں آتا۔ خیر جب وہ اتنے دنوں بعد اپنے قالب میں واپس آیا ہو گا تو اسے کیسا لگا ہو گا۔ جیسے مسافر لمبا سفر کر کے' بن بن کی خاک چھان کر' ہرج مرج کھینچ کر' اپنے دیس میں واپس آئے۔ واپسی پر اسے کتنی خوشی ہوئی ہو گی۔ پر کیا خبر ہے کہ اسے بندر والی جون یاد آتی ہو کہ کیا خوب تھے' درختوں پہ آزادانہ کودتے' شاخوں میں جھولتے تھے یا شاید کبھی طوطے کے قالب کی یاد ستاتی ہو کہ کیا سندر قالب تھا' ہرے ہرے تھے' گلے میں کنٹھی' چونچ لال چھپھا۔ دن بھر بس چھپھانا' بے فکری سے دانہ چگنا' خوش رہنا۔ طوطا نوسٹالجیا۔ اس سے بڑھ کر بندر نوسٹالجیا۔ یاد ایام عشرت فانی کہ جب بندر تھے' جانور قلندر تھے' کھال کے اندر تھے مگر جب ..... مگر خیر میں نے اپنے آپ کو تھام لیا' بھٹکتے ذہن کو جیسے تیسے قابو میں لایا۔ یہ میں کس قصے میں پڑ گیا' میں نے اپنے آپ کو روکا

KitaabPoint.blogspot.com

ٹوکا۔ میں تو اس وقت کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا جب میرے ساتھ وہ واقعہ جو بھی واقعہ تھا..... اور یہ کہانی ہے۔ بھلا اس کہانی میں میں کہاں سے آ گیا۔ خیر میں کی بات تو جانے ہی دو میں نے سوچا "وہ" کے پردے میں بھی تو کبھی کبھی "میں" چھپا ہوتا ہے۔ آخر من جواب میرے لئے "وہ" ہے میں ہی تھا۔ آدمی جب بدلنے پہ آتا ہے تو ایسا بدلتا ہے کہ پہچانا نہیں جاتا۔ جیسے نل بدل گیا تھا۔ بالکل ہی دوسرا آدمی بن گیا تھا۔ دمینتی جو اسے اتنا چاہتی تھی وہ بھی اسے نہیں پہچان پا رہی تھی۔ بیچاری یہی سوچتی تھی کہ وہ نل تو اتنا سندر تھا۔ یہ بد صورت آدمی وہ نہیں ہو سکتا۔ پھر کون ہے اور وہ کہاں ہے؟ جیسے من کتنا خوبصورت تھا۔ جیسے وہ جنم اور ہوا اور جون دوسری ہو۔ خیر جنموں کا چکر اور ہے۔ اس میں تو "میں" اس طرح "وہ" بنتا ہے کہ غائب ہی ہو جاتا ہے۔ کس کو یاد رہتا ہے کہ میں پہلے وہ تھا۔ یاد رہے تو مہاتما بدھ نہ بن جائے۔ تو ہے بھکشوؤ ایک بندر ورشا میں بھیگتا بھاگتا آیا اور اسی ٹہنی پہ آ کے بیٹھا۔ مینا نے اپنے گھونسلہ سے سر نکالا اور ترسکھاتے ہوئے کہا کہ ہے باندر تو نے بھلے سمے میں گھر بنا لیا ہوتا تو آج کیوں ورشا میں بھیگتا۔ باندر نے سمجھا کہ مینا اسے نگھرے ہونے کا طعنہ دے رہی ہے۔ کھسیانا ہوا اور اسی کھسیان پٹ میں اس کا گھونسلہ کھسوٹ ڈالا۔ مینا پچھتائی کہ اس ناسمجھ کو سمجھ سکھانے کی کیوں کوشش کی۔ پھر نر مادہ دونوں ورشا میں بھیگتے ہوئے اڑ گئے۔ تتھاگت چپ ہوئے پھر بولے ہے بھکشوؤ وہ مینا میں تھا۔ بھکشوؤں نے اچرج کیا تتھاگت تم تم نے اس ناستنگ باندر کے ہاتھوں یہ دکھ بھوگا؟ ہاں میں بس میں نے اسی گھڑی پران چھوڑ دیے۔ پھر میں نے طوطے کے روپ میں جنم لیا۔ تو ہے بھکشوؤ یہ اس سمے کی بات ہے جب میں یہ میں نہیں تھا طوطا تھا۔ ان دنوں تکشیلا سے پرے ایک گھنی بنی تھی۔ وہاں ایک برکش کی ایک کھکھل میں اس طوطے نے اپنا گھونسلہ بنایا۔ پر پھر ایسا ہوا کہ ایک سانپ بھی آ کر اسی برکش کی ایک کھکھل میں رہنے لگا۔ طوطے نے یہ دیکھا تو اپنی طوطی سے کہا کہ ہے میری پتنی ایک زہری سانپ ہمارے پڑوس میں آ کر بس گیا ہے اور ہماری شانتی میں اس نے بھنگ ڈال دیا ہے۔ ہماری بھلائی اب اسی میں ہے کہ اس برکش سے اپنا ڈیرا اٹھائیں اور کسی بھلے سے برکش کی کسی ڈال پہ کسی کھلکھل میں اپنا ٹھکانہ بنائیں۔ طوطی نے یہ سن کے بلاپ کیا اور بولی کہ ہے سوامی ہم نے تنکا تنکا جمع کر کے یہ گھونسلہ بنایا تھا۔ اب جب میں انڈے دینے کو تھی اور یہ گھونسلہ آباد ہونے کو تھا تو یہ کلموا سانپ یاں پہ آن بسا اور تم کہہ رہے ہو کہ اس برکش سے سدھار کر ہم کسی اور برکش میں جا کر اپنا ٹھکانہ کریں۔ ہے سوامی تنگ سوچو کہ میں نے یہ گھونسلہ بنانے کے لئے کتنے دکھ سہے۔ اب میں اپنے بنے بنائے رستے بستے گھونسلہ کو دم کے دم میں کیسے چھوڑ دوں۔ یہ سن طوطے نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ کہا کہ ہے پتنی ہم نے اپنے ان گول گول نینوں سے کتنے گھونسلے اجڑتے ویران ہوتے دیکھے ہیں۔ تو اپنے ایک گھونسلہ کی بات کرتی ہے۔ آنکھیں کھول کے اردگرد گھونسلوں اور گھروں کی دشا کو دیکھ۔ چاروں دشاؤں میں آگ بھڑکی ہوئی ہے۔ برہمانڈ جل رہا ہے۔

KitaabPoint.blogspot.com

گھر' گھونسلے' برکش' بن' بستیاں' نگر' محلے' محل دو محلے سب آگ کی لپیٹ میں ہیں اور بھکشو یہ سوچ کے دکھی ہوئے کہ بدھ سینتو جی کو طوطے کے جنم میں بھی سکھ نہ ملا۔ پھر گھر سے بے گھر ہوگئے اور بدھ جی نے کہا' ہے بھکشوؤ' کسی جنم میں چین نہیں ہے اور کوئی بستی سدا بسی نہیں رہتی اور ہر گھر جو بستا ہے' اجڑنے کے لئے بستا ہے۔ شاید یوں پہلے کی بات ہے۔ تب کی جب میں نے بیل کا جنم لیا تھا اور ورناسی کے راجکمار کے رتھ میں جتا پھرتا تھا۔ پھر ایک نئے جنم کی کتھا آرمبھ ہوگئی۔ وہ مہاتما جنموں کی بات کس سادگی سے سناتا تھا' فرفر۔ جیسے اچھے بچے پہاڑا سناتے ہیں مگر ناگیشری رانی خوف سے تھر تھر کانپنے لگی۔ راجہ کے پاس گئی۔ بولی کہ ہے میری سوامی' آج دن اچھا نہیں چڑھا۔ مجھے بیٹھے بیٹھے جانے کیا ہوا کہ بس ایک ساتھ پچھلا جنم یاد آ گیا۔ راجہ دھرم دت چنتا میں پڑ گیا۔ پھر بولا' ہے رانی! میرے ساتھ بھی آج یہی ہوا۔ بس بیٹھے بیٹھے پچھلا جنم یاد آ گیا۔ یہ سن کے ناگیشری رانی روئی اور بولی کہ "ہے راجہ' یہ براشگن ہے۔"

"کیسے براشگن ہے۔"

"ہے مہاراج' بات یہ ہے کہ پچھلا جنم یاد آ جائے تو پھر سنانا پڑتا ہے اور سناؤ تو اس سے مرتیو ہو جاتی ہے تو اب میں تو اپنے پچھلے جنم کا حال سنائے بنا رہ نہیں سکتی۔ پر تم سنتے رہنا۔ اپنی مت سنانا۔"

"ہے میری رانی! یہ تو بہت کٹھن کام تو نے مجھے بتایا۔ پچھلا جنم یاد آ گیا ہے تو میں اسے سنائے بنا رہ نہیں سکتا۔"

"اچھا' یہ تو بہت مشکل آ پڑی' پھر کیا ہو گا؟"

"بس جو ہو سو ہو۔ اب ہمیں اپنا اپنا پچھلا جنم یاد آ گیا ہے تو ایک دوسرے کو سنائیں اور ہونی کے لئے تیار رہیں۔"

ناگیشری رانی دیر تک چپ رہی' پھر بولی۔ "ہے راجہ! پچھلے جنم میں ہم ہنس ہنسنی تھے۔ میں ہنسنی' تم راج ہنس!"

"ہے رانی' پر یہ سوچ کہ ہم ہنس ہنسنی بنے کیسے تھے۔ اس سے پہلے جنم میں تو ہم کچھ اور تھے۔ میں منتری تھا تو منتری کی استری تھی۔"

"ہے میں مر جاؤں' سوامی تمہیں اس سے پہلا جنم بھی یاد آ گیا ہے۔ یہ تو بہت برا ہوا۔"

"میری رانی' اب تو جو ہوا وہ ہو گیا۔ تو ہاں ہم اس جنم میں بھی پتی پتنی تھے راج پاٹ کے بکھیڑوں سے جب میں بہت تھک گیا تو میں نے سوچا کہ تیرتھ کر آئیں۔ پر ہم رستے میں تھے کہ بٹ ماروں نے ہمیں آ لیا۔ ہم نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ وہ ہماری عزت آبرو پہ ہاتھ ڈالیں ہمیں جل مرنا چاہئے۔ تو ہم نے بن کی لکڑیاں اکٹھی کر کے انہیں سلگایا اور آگ میں اتر گئے۔ پر اسی آن ایک ہنس ہنسنی کا جوڑا آکاش میں اڑا جا رہا تھا۔ کیسے سندر تھے وہ۔ پر ایسے مانو چاندی کے پتر ہوں۔ پنجے جیسے سونے کے ہوں۔ چونچ مونگے

KitaabPoint.blogspot.com

کی طرح کی۔ ہم آگ کو تو بھول گئے' اس جوڑے کو تکنے لگے' ان پر موہت ہو گئے تو بس پھر یوں ہوا کہ ادھر ہمارے پران ہو گئے اور ادھر ہم نے ہنس ہنسنی کے روپ میں جنم لے لیا۔ دور دور تک کی اڑانیں لیتے تھے آکاش کا پتہ لاتے تھے اور پوتر پانی والی جھیلوں پر اترتے تھے۔ پر ایک دن ایسا ہوا کہ ہم اڑے چلے جا رہے تھے کہ آندھی آ گئی' جھکڑ چلنے لگے۔ دھرتی سے انبر تک دھول ہی دھول۔ اس میں ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ جب آندھی نکل گئی اور دھول بیٹھ گئی تو میں حیران کہ میری ہنسنی کہاں گئی۔ ڈھونڈتا پھرا' تال تلیوں کو چھان ڈالا' تم نہ ملیں۔ پھر میں نے ایک لمبی یاترا کی مانسرور جھیل پر گیا۔ اے لو تم وہاں موجود تھیں۔ مانسرور کے موتی جیسے چمکتے پانی میں مزے سے تیر رہی تھیں۔''

ناگیشری رانی مانسرور کے دھیان میں کھو گئی۔ پھر ٹھنڈا سانس بھرا' بولی۔ ''سوامی! وہ دن کتنے اچھے تھے مانسرور جھیل پہ منڈلاتے تھے۔ میں ہنسنی تم راج ہنس۔ سندر پوتر تھا وہ جنم۔ میرے سوامی آدمی کے جنم کو بہت بھوگا۔ چلو ہم پھر اپنے اسی جنم میں چلیں کہ راج پاٹ کے بکھیڑوں سے چھوٹیں اور اس چھل فریب کے جیون سے چھٹکارا ملے۔ موتی کی طرح چمکتی مانسرور جھیل ہو۔ ٹھنڈا میٹھا لہریں لیتا پانی' پوتر وایو' پریم بھری دھرتی' سندر انبر اور ہم۔'' اور یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں مندنے لگیں۔ مندتی چلی گئیں' اس کی بھی راجہ دھرم دت کی بھی..... تو گویا یہ اس سر پہ منڈلانے لگی تھی۔ مگر یہ بھی خوب تھا پچھلا جنم یاد آ جائے تو اسے سنائے بغیر چارہ نہیں اور سنا دو تو پھر موت سے مفر نہیں۔ ''میمونہ! تمہیں وہ سادھو یاد ہے جو کہتا تھا کہ مجھے اپنا پچھلا جنم یاد ہے۔'' مگر وہ پھر گیا کہاں؟ اس کے بعد وہ نظر تو آیا نہیں۔ ''مہاراج' یہ کب کی بات ہے۔''

''سجنو' یہ اس سمے کی بات ہے جب میں دوارکا میں رہتا تھا۔''

''دوارکا میں؟''

''ہاں دوارکا میں!'' بس پھر وہ شروع ہو گیا۔ ''یہ شتابدیوں پہلے کی بات ہے ان دنوں کی جب اس نگر میں ہن برستا تھا۔ شانتی' سکھ' آنند!'' مگر گنیش تو واں پہ ان دنوں بھی سکھ میں نہیں تھا۔ سب خوش تھے' بس ایک وہی خوش نہیں تھا۔ جو بھول نہیں پاتے وہ کبھی خوش نہیں رہتے۔ وہ متھرا نگری کو بھول نہیں پا رہا تھا۔ آخر دم تک بھول نہیں پایا اور جب دوارکا کے برے دن آئے تو پھر اسے اپنی چھوڑی ہوئی نگری زیادہ ہی یاد آنے لگی۔ پر یہ ان دنوں کی بات ہے جب ابھی آنند کی ندی چڑھی ہوئی تھی۔ نر ناری سکھی تھے' پریم کی گنگا بہتی تھی۔ دھرتی سے انبر تک انہد راگ کی گونج مگر گنیش کو متھرا نگری کے چھٹنے کا دکھ کھائے جا رہا تھا۔ اس نگری کی گلیاں اور گلیاں ہر آن ہر گھڑی اس کی آنکھوں میں پھرتی تھیں۔ نسدن وہی ایک دھیان کہ جیسے سویرے منہ اندھیرے دوسروں کی گیوں کے ساتھ وہ بھی

KitaabPoint.blogspot.com

اپنی گھیا کو لے گلی سے نکل رہا ہے۔ جیسے چھٹپٹا ہے اور گودھول ہے اور موہن کی مرلی باجتی ہے اور گوپیاں بیکل ہو کے اپنی اپنی ڈیوڑھی میں آ کھڑی ہوئی ہیں۔ مرلی کی آواز' وہ سوچتا' انہیں کیسا موہت کر دیتی تھی۔ گھیوں کے گلوں میں پڑی گھنٹیوں کی آوازیں اس کے کانوں میں گونجتی رہتیں۔ ان کے گلابی گلابی تھنوں سے نکلتی دودھ کی سفید سفید دھاریں اس کی آنکھوں پھرتی رہتیں۔ کتنا دودھ نکلتا تھا ان سے کہ گھر کی ساری مٹکیاں بھر جاتی تھیں اور روز گھر میں کھیر پکتی۔ یہ سب کچھ کبھی ایسے یاد آتا جیسے یہ پچھلے جنم کی بات ہے اور کبھی ایسے جیسے کل کی بات ہے' کبھی ایسے مانو خواب دیکھ رہا ہے کبھی ایسے کہ جانو وہ اس نگری کی گلیوں میں چل پھر رہا ہے۔ کبھی برہ کے برس ایسے لگتے جیسے شتابدیاں بیت گئی ہیں' کبھی یوں دکھائی دیتا کہ ابھی ابھی وہ متھرا سے نکلا ہے۔ خیر شروع کے دنوں میں تو اور متھرا باسیوں کو بھا اپنا نگر بہت یاد آتا تھا۔ پر دوارکا کے سکھ نے دھیرے دھیرے کر کے متھرا کے دکھ کو بھلا دیا۔ جیسے دھیرے دھیرے انہیں صبر آتا جا رہا ہو۔ یہ بات دل میں گھر کر چلی تھی کہ اب ہم یادووں کو دوارکا ہی میں رہنا ہے۔ متھرا نگری کبھی کبھی ایسے یاد آتی جیسے بسرا سپنا یاد آتا ہے۔ دوارکا کے بازاروں گلیوں میں اتنی گہما گہمی تھی' اتنا آنند تھا کہ یاد آیا سپنا پھر بسر جاتا۔ ہولے ہولے بالکل ہی بسر گیا۔ سب متھرا باسی نئے نگر کے آنند میں مگن ہو گئے۔ متھرا کو یاد کرنے کے لئے اکیلا گنیش رہ گیا۔

پراب سے بدل چکا تھا۔ دوارکا نگر سنکٹ میں تھا اور اس کی گلیاں اب گدھیا کے بچے جننے لگی تھیں اور ایک دن پرکاش نے آ کر نرالی خبر سنائی۔ ''گنیش بھیا! تم نے کچھ سنا۔''

''کیا؟''

''ہے بھیا کتنے اچرج کی بات ہے کہ بکری کتیا بن گئی۔''

''پرکاش! تیری مت تو نہیں ماری گئی۔ لو بولو بکری کتیا بن گئی' اچھی اڑائی۔''

''بھیا میں سچی کہہ رہا ہوں۔ ایسے ہوا کہ بڑی بزریا سے بکریوں کا ایک ریوڑ گزر رہا تھا۔ اچانک ایک بکری ریوڑ سے ٹوٹ کر ممیاتی ہوئی ایک طرف کو بھاگی۔ ممیاتے ممیاتے اس نے اچانک بھونکنا شروع کر دیا۔''

گنیش کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ''پرکاش! یہ تو انہونی بات ہے۔''

''ہاں انہونی تو ہے۔ جب ہی تو سب اچنبھے میں ہیں' خالی اچنبھا نہیں' لوگ سہم گئے ہیں۔''

پھر انہونی باتیں ہوتی چلی گئیں۔ ایک گنجے سر والا کالا کلوٹا لمبا تڑنگا آدمی جانے کہاں سے آیا۔ لوگوں نے تو بس اسے دوڑتے ہوئے دیکھا۔ دم کے دم میں پورے نگر میں گھوم گیا۔ سورماؤں نے اس پر تیر چلائے۔ تیر اسے لگے بھی' پر کسی تیر سے وہ گھائل نہیں

KitaabPoint.blogspot.com

ہوا۔ پھر ایک گلی میں جا کر اچانک غائب ہو گیا اور پھر یوں ہوا کہ نگر کے بڑے مندر کے اندر سے گیدڑوں کی چیخیں سنائی دیں اور پوجا ستھان میں پوجاریوں نے دیکھا کہ ایک بڑا سوئر بیٹھا ہے۔ جس نے سناسناٹے میں آ گیا۔ ہے رام یہ کیا ہو رہا ہے اور پھر ایک اپسرا دیکھی گئی جو اونچی آواز سے کہتی جاتی تھی کہ ہے دوارکا باسیو' تیرتھ پر جاؤ۔ دوارکا باسیوں نے اپسرا کی آواز کو آکاش وانی جانا اور ترنت تیار ہو' تیرتھ کے لئے چل پڑے۔ پر وہ آواز تو موت کا بلاوا بن گئی۔ وہ تیرتھ یاترا تھی یا موت یاترا۔ ایک استھان پر یاتریوں کو ہری ہری گھاس دکھائی دی تو وہیں انہوں نے ڈیرے ڈال دیئے۔ کھایا پیا' ڈٹ کر دارو پی۔ نشہ نرالے رنگ سے چڑھا کہ ایک دوسرے کو للکارنے لگے۔ جو سورما کورو گشیتر میں ایک دوسرے کے خلاف لڑے تھے' انہیں وہ لڑائی یاد آ گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف کرودھ کیا۔ بس دیکھتے دیکھتے ان پہ خون سوار ہوا۔ ایک دوسرے پہ پل پڑے۔ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگے۔ ہری ہری گھاس خون لال ہو گئی۔

انہیں دنوں گنیش کے بالپن کا سنگھی نریندر متھرا سے چل کر ہرج مرج کھینچتا دوارکا پہنچا۔ گنیش اسے گلے ملا اور متھرا کو یاد کر کے رویا۔

''گنیش!'' نریندر کہنے لگا۔ ''تو نے تو یاں پہ آ کے اپنے سارے بال سفید کر لئے۔''

''مترا یہ بھی تو دیکھ کہ تب سے اب تک سے کتنا بیت گیا ہے۔'' گنیش نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ سے کی بات کرتے کرتے بیتا سمے اس کی آنکھوں میں پھر گیا۔ متھرا نگری کی گلیاں' گیاں' گودھول' گوپیاں۔ ''ہے متھرا نگری کا کیا حال ہے؟''

''گنیش!'' نریندر اداسی سے بولا۔ ''متھرا نگری کا حال مت پوچھ..... وہ نگری رانڈ ہو گئی۔ جن کے دم سے اس کا سہاگ بنا ہوا تھا' وہ اسے چھوڑ گئے۔ اب وہاں نہ موہن کی مرلی باجتی ہے نہ پریم کی بانی گونجتی ہے نہ گوپیوں کے دل دھڑکتے ہیں۔ گلیوں میں دھول اڑتی ہے۔ گوپیاں اداس ہیں' گیاں' دبلی ہو گئی ہیں۔ جانے والے واں کو شوبھا اپنے سنگ لے گئے۔ اب وہ نگری اجاڑ ہے۔''

گنیش یہ سن رویا۔ نریندر بھی یہ حال سنا کر بہت دکھی ہوا' پھر بولا۔ ''تم لوگوں نے متھرا کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ تم نے نیا نگر آباد کر لیا۔ نئے نگر میں تم چین کی بنسری بجاتے ہو۔ واں پہ ہم ہونق بنے پھرتے ہیں اور کشٹ کھینچتے ہیں۔''

''مترا!'' گنیش نے دکھی ہو کر کہا۔ ''تجھ سے کس نے کہا کہ یہاں پہ ہم چین کی بنسری بجاتے ہیں۔ ہاں بجاتے تھے' پر اب نہیں۔ سکھ کے دن بیت گئے۔ اب ہم سنکٹ میں ہیں۔ دوارکا میں اس سے اندھکار مچا ہے۔ گلیوں' بازاروں میں سرکٹے گھومتے ہیں۔ بکریاں بھونکتی ہیں' گائیں رینکتی ہیں۔ مندروں سے گیدڑوں کی چیخیں سنائی دیتی ہیں۔ ہون ستھانوں میں سوئر بیٹھے اور چوہے دوڑتے دکھائی

KitaabPoint.blogspot.com

دیتے ہیں۔"

"گنیش! تو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ مجھے اپنے کانوں پہ اعتبار نہیں آ رہا۔ ہم تو واں بیٹھے یہ سوچا کرتے تھے کہ دوارکا میں شردھا کی ورشا ہوتی ہے۔ شانتی ہے، پریم ہے، سکھ اور آنند ہے۔"

"تھا، پر اب نہیں۔ یاں کے سورما کوروکشیتر میں لڑنے گئے تھے۔ واں پہ وہ آپس میں بٹ گئے اور ایک دوسرے کے خلاف لڑے۔ واں سے وہ پھرے تو کرودھ کی آگ میں جل رہے تھے۔ خون ان کے سر پہ سوار تھا۔ انت کا روہ رنگ لایا۔ انہوں نے شانتی اور پریم کی اس نگری کو کوروکشیتر بنا دیا۔ نریندر، دوارکا اجڑ چکا ہے۔"

"پرمتر، یہ تو عجب بات ہے۔ مرغی اپنی جان سے گئی، کھانے والوں کو سواد نہیں آیا۔ متھرا بھی اجڑ گیا اور دوارکا بھی۔ اب سکھ آنند میں نہیں۔" نریندر رکتے رکتے بولا۔ "شاید انہوں نے اپنی جنم بھومی کو چھوڑا نہیں۔" نریندر رکا اور جھجکتے جھجکتے بولا۔ "گنیش! ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھ!"

"سری کرشن مہاراج تو بہت بدھیمان ہیں، بہت گیانی ہیں۔ انہوں نے کیا سوچ کر متھرا چھوڑا تھا۔"

"نریندر، تو نے میرے دل کا چور پکڑ لیا۔ یہ پرشن تو مجھے بھی بیکل رکھتا ہے۔"

"شاید!" نریندر رکتے رکتے بولا۔ "شاید انہوں نے اپنی جنم بھومی کو چھوڑ۔"

کر..... شاید....."

"صاف صاف کیوں نہیں کہتا کہ اچھا نہیں کیا۔"

"پر اب وہ کیا کہتے ہیں، کیا سوچتے ہیں؟"

"اب کیا کہتے ہیں؟" گنیش کڑوی سی ہنسی ہنسا۔ "اب وہ کیا کہیں گے۔ کہتے کچھ نہیں۔ پر مجھے لگتا ہے کہ وہ خوش نہیں ہیں۔ مرلی تو وہ متھرا ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ یاں آ کر گدا چکر بھی ان سے چھن گیا۔"

"کیا کہا۔" نریندر اچھل پڑا۔ "گدا چکر چھن گیا، یہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ کون مائی کا لال ان سے ان کا گدا چکر چھین سکتا ہے۔"

"کسی مائی کے لال نے نہیں چھینا۔ آکاش سے آیا تھا، آکاش میں چلا گیا۔ پتہ ہے کیا ہوا، بھگوان کا رتھ اپنی آن بان سے چلا جا رہا تھا کہ تین اپسرائیں اوپر سے آئیں۔ انہوں نے رتھ کا جھنڈا اتار لیا۔ ابھی وہ یہ کرتی تھیں کہ بھگوان کے ہاتھ سے گدا چکر نکلا اور

KitaabPoint.blogspot.com

آ کاش میں جا کے کھو گیا۔"

نریندر سناٹے میں آ گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ گنیش خود ہی بولا' کچھ ڈری ڈری آواز میں۔ "نریندر! یہ اچھے اشارے نہیں ہیں۔ لگتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے۔"

"اتنا کچھ تو ہو گیا' اب اور کیا ہو گا؟"

"لگتا ہے کہ ابھی اور بہت کچھ ہونے والا ہے۔"

"کیا ہونے والا ہے؟"

"یہ تو کوئی گیانی ہی بتائے گا۔ کتنی دفعہ میں نے سوچا کہ گورو شمبھو مہاراج کے پاس جاؤں اور پوچھوں کہ مہاراج یہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟"

"گورو شمبھو مہارج!" نریندر چونکا۔ "کیسے ہیں ہمارے گورو' اب تو بہت بوڑھے ہو گئے ہوں گے؟"

"بس ہڈیوں کی مالا بن کے رہ گئے ہیں۔ بال سفید سن جیسے' پلکیں جیسے آنکھوں پہ برف جمی ہو۔"

"گنیش چل' گورو کے درشن کو چلتے ہیں۔"

دونوں واں پہ گئے اور گورو کے چرن چھوئے۔ گنیش نے کہا۔ "گورو جی' آپ کا ایک شش متھرانگری سے آیا ہے۔"

"متھرانگری ہے؟" گورو مہاراج نے اپنی سفید پلکیں کھولیں۔ "وہ کون ہے؟"

"مہاراج' نریندر! آپ کا پرانا شش۔"

"نریندر!" گورو نے اپنی یاد پہ زور ڈالا۔ "اچھا' اچھا میں سمجھا' نریندر ہے۔ پتر تیرا کیا حال ہے۔ متھرانگری کا کیا حال ہے؟"

"مہاراج! میں اچھا ہوں۔ پر متھرانگری کا حال اچھا نہیں۔ ہم اب ایک اجڑے نگر کے باسی ہیں۔"

"اوم تت ست!"

"گورو مہاراج!" گنیش نے رکتے رکتے کہا۔ "دشا تو اب دوارکا کی بھی اچھی نہیں ہے اور نریندر نے مجھ سے ایک نرالا ہی سوال پوچھ ڈالا ہے۔ پوچھتا ہے کہ ہمارے بڑوں نے کیا سوچ کے متھرانگری کو چھوڑا تھا؟"

"پترو!" شمبھو مہاراج بولے۔ "سب کال کا چمتکار ہے۔ ہم تم اس کے آگے بے بس ہیں۔ ہم سو جاتے ہیں' پر کال جاگتا رہتا ہے۔ پھر وہی ہمیں جھنجھوڑ کے جگاتا ہے کال مہابلی ہے' ہم نربل ہیں' اس کے آگے بے بس ہیں۔ ہم مورکھ سو جاتے ہیں۔ وہ جاگتا رہتا

KitaabPoint.blogspot.com

ہے۔ پھر وہ ہمیں جھنجھوڑ کے جگاتا ہے اور جب ہم جاگتے ہیں اور آنکھیں مل کے اپنے چاروں اور دیکھتے ہیں تو سب کچھ بدل چکا ہوتا ہے۔ اوم تت ست؟"

"اوم تت ست!" گنیش بڑبڑایا اور بولا۔ "ہے گورودیو سب کچھ بدل گیا ہے سب کچھ۔ ہم سوتے میں پکڑے گئے۔" پھر سوچ کر بولا۔ "پر گورودیو سری کرشن مہاراج تو خود کال کا روپ ہیں وہ تو جاگ رہے تھے۔"

گورو شمبھو نے ٹھنڈا سانس بھرا پھر بولے۔ "جب دروپدی کے پانچوں مارے گئے تو وہ بلاپ کرتی گندھاری ماتا کے پاس گئی۔ گندھاری ماتا اسے دیکھ یہ بولیں کہ ہے دروپدی تیرے پانچ مارے گئے ہیں تو تو بلاپ کر رہی ہے۔ مجھے دیکھ کہ میں اپنے سو پوتوں کو بھی کٹوا کے چپ ہوں۔ پھر اس نے کرشن مہاراج کی اور دیکھا اور کرودھ سے بولیں کہ ہے دیوکی کے جنے تو بس کی گانٹھ ہے۔ تو نے میری کوکھ اجاڑی ہے۔ سو پتر دیکھتا رہ یادوستان بھی ایسے ہی اجڑے گی۔ بھگوان کرشن گمبھیرتا سے بولے کہ ہے ماتا یادوستان کو اور کوئی نہیں اجاڑ سکتا میں ہی اجاڑوں تو اجاڑوں۔ تو نے سراپ دے کر میرا کام آسان کر دیا۔" گورو مہاراج رکے پھر بولے۔ "پیرو کرشن بھگوان کال اوتار ہیں اور گندھاری ماتا نے جس سمے کی چیتاونی دی تھی وہ سمے آخر کب تک ٹلے گا۔" پھر گورو مہاراج نے آنکھیں موند لیں اور بڑبڑانے لگے۔ "اوم تت ست اوم تت ست اوم تت ست!"

اچھا تو یہ اس وقت کی بات ہے..... اس وقت کی جب..... ویسے تو ہر شہر کا ایک ہی انجام ہے۔ جیسے شہر اجڑنے ہی کے لئے بستے ہوں..... تب عبداللہ یوں گویا ہوا کہ "اے عزیز تو اپنے جدی شہر اشبیلیہ کے لئے صحیح روتا ہے۔ بستی بستے بستے بستی ہے مگر جب اجڑنے پہ آتی ہے تو دم کے دم میں اجڑ جاتی ہے جیسے میرے اجداد کا شہر قرطبہ اجڑا۔ پڑھا میں نے اپنے جد اکبر کے تذکرے میں جو زوال کے ہنگام لکھا گیا تھا۔ کھوے کی پت سے کہ اس باعث صرف رات کے اوقات میں پڑھا جا سکتا تھا ہاں تو میں نے پڑھا اس تذکرے میں کہ اس مبارک شہر میں جسے میرے جد نے عروس الاندلس کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ کوچہ و بازار بے شمار تھے۔ ہر موڑ پر ایک حمام ہر کوچے میں ایک مسجد۔ مسجدوں کے بیچ مسجدوں کی ملکہ مسجد الاعظم کہ قرطبہ کی پیشانی پر جھومر کی مثال تھی۔ گرداگرد اس کے رونق بے حساب تھی۔ کھوے سے کھوا چھلتا تھا کٹورا بجتا تھا۔ اس سے پرے مدینہ الزہرا میں صبح و شام نوبت بجتی تھی۔ پر جب یہ خوش بو شہر اجڑنے پہ آیا تو نہ کٹورے کا بجنا نہ نوبت کی ٹکور نہ اذان کی آواز نہ نقیبوں کی پکار رہے نام اللہ کا لا غالب الا اللہ!" عبداللہ ٹھنڈا سانس بھر کر چپ ہو رہا مگر کسی قدر تامل کے بعد پھر بولا اور آغاز کلام یوں کیا کہ "اے مرے یار جانی ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ تیرے آبگینہ دل کو ٹھیس نہ لگ جائے۔"

KitaabPoint.blogspot.com

''میرے دوست! اب یہ دل آبگینہ نہیں۔ سنگ حوادث نے اسے چوٹیں کھانے کا عادی بنا دیا ہے۔ سو بے فکر ہو کر جو کہنا چاہتا ہے کہہ دے۔''

''اے یار! میرے جدا کبر نے اپنے شہر کو بہت یاد کیا۔ اردگرد سے بے خبر قرطبہ کے خوشبو کوچوں کو اپنی آنکھوں میں لئے پھرتا تھا اور مستقل روتا رہتا تھا حتیٰ کہ اس کی آنکھ بند ہو گئی۔ اس کا فرزند یعنی میرے جد کا جد مرد عاقل تھا۔ اس نے باپ کے حال تباہ کو دیکھ کر عبرت پکڑی اور اپنے بیٹے اور پوتے کو ایک روز اپنے پاس بٹھا کر یوں کہا کہ اے مرے فرزند اور اے مرے فرزند کے فرزند! تم نے اپنے جد کو دیکھا کہ قرطبہ کے غم نے اس کا کیا حال کیا اور کس طرح وہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔ جان لو کہ شہر کی جدائی کا غم عورت کی جدائی کے غم سے بڑھ کر قاتل ہوتا ہے۔ جس نے دل کو یہ غم لگا یا سمجھو کہ وہ دین دنیا سے گیا۔ تو اے مرے بیٹو بیشک ہم قرطبہ کی مٹی ہیں مگر آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔ اس کو فراموش کرو مبادا اس کی یاد تمہیں گھن کی مثال کھا جائے۔ اب غرناطہ ہی ہمارا قرطبہ ہے اور اے یار جو ہمارے جد بزرگ نے اپنے بیٹے سے اور بیٹے کے بیٹے سے کہا وہی میں تجھ سے کہتا ہوں۔''

یہ کلام سن کر ابن حبیب رویا اور بولا۔ ''اے یار ناصح' اشبیلیہ کی یاد تو اب خود ہی میرا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔ تجھے کیا بتاؤں کہ میرے ساتھ نیا واقعہ کیا گزرا ہے۔ اشبیلیہ میں جو میرا جدی گھر تھا' اس کا رستہ کل تک مجھ پر روشن تھا مگر جانے میرے ساتھ کیا واردات گزری کہ اب وہ رستہ میں بھول چکا ہوں۔''

عبداللہ چکرایا ''میرے یار' تو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ اشبیلیہ تو کب گیا تھا کہ اس دیار کا کوئی راستہ تجھے یاد ہوتا''۔

ابن حبیب پھیکی ہنسی ہنسا اور بولا۔ ''اے یار میں جو کہتا ہوں اے سچ جان! میں اپنے خوابوں میں اس اجڑے دیار میں اتنا چلا پھرا ہوں کہ اس کی ایک ایک راہ مجھ پر روشن تھی مگر رات میں نے عجب خواب دیکھا۔ جیسے میں اشبیلیہ گیا ہوں اور گلیوں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ حیران ہو رہا ہوں کہ یا اللہ وہ گلی کون سی تھی جس میں داخل ہوتے ہی مجھے وہ بلند و بالا کھجور کا شجر نظر آتا تھا اور میرے قدم تیز تیز اس گھر کی طرف اٹھنے لگتے تھے۔ دور سے بلی مجھے دیکھتی اور لپک کر میری طرف آتی۔ میرے رب' وہ کھجور کا شجر کہاں اوجھل ہو گیا' بلی کو کیا ہوا' گھر کہاں کھو گیا۔ یہ سوچتا حیران ہوتا چل رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ آگے رستہ بند ہے۔ یا الٰہی اب کدھر جاؤں کہ میری آنکھ کھل گئی۔'' ابن حبیب بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ تامل کیا' پھر بولا۔ ''پھر میں سو نہ سکا۔ وہ شاید پچھلا پہر تھا کہ تھوڑی ہی دیر بعد اذان کی آواز سنائی دی۔ میں نے اٹھ کر وضو کیا' دوگانہ ادا کیا اور پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے بصد زاری دعا کی کہ بارالٰہا' مجھے وہ دن دیکھنے سے محفوظ رکھ کر میں اشبیلیہ جاؤں اور میری مٹی مجھے پہچاننے میں تامل کرے اور میری گلیاں مجھے راہ دکھانے سے انکار کر دیں۔

KitaabPoint.blogspot.com

پھر روتے روتے میری ہڑکی بندھ گئی۔'' ابن حبیب چپ ہو گیا۔ اس کی آنکھ بھر آئی تھی اور آواز رندھ گئی تھی۔

عبداللہ کہ خاموشی سے سنتا رہا تھا اب بعد تامل کے یوں بولا کہ ''اے ابن حبیب! میں تیرے درد کو سمجھتا ہوں۔ ایک اعتبار سے تجھے خوش نصیب بھی جانتا ہوں کہ تو غم ہجر کی دولت سے مالا مال ہے۔ ایک میں بیدرد ہوں کہ قرطبہ کو بھول کر غرناطہ میں خوش بیٹھا ہوں اور مجھ جیسے کتنے ہیں کہ ان کی خانہ خرابی نے انہیں اس شہر کی راہ دکھائی۔ غرناطہ نے انہیں پناہ دی' عزت دی' دولت دی مگر افسوس کہ ان سے درد کی دولت چھین لی۔ تو اے ابن حبیب ان کے مقابلہ میں تو خوش نصیب ہے کہ غرناطہ نے تجھے پناہ دی مگر تجھ سے درد کی دولت نہیں چھینی۔'' عبداللہ نے تامل کیا' پھر بولا۔ ''مگر اے ابن حبیب! جو ہم نے کیا وہی زندگی کا آئین اور زمانے کا دستور ہے۔ اسی آئین کا پاس کرتے ہوئے میرے جد کے جد نے اپنے بیٹے کو اور بیٹے کے بیٹے کو جدا کبر کی روش سے باز رہنے کی نصیحت کی۔ اولاد نے اس کی نصیحت کو پلے باندھا اور پھر غرناطہ ہی کو قرطبہ جانا اور اس مٹی اور ہوا میں رچتے بستے چلے گئے۔ اے یار! تیرے خواب کی بھی تعبیر یہی ہے۔ یہ اشارہ غیبی ہے یا تیرے باطن نے تجھ سے کہا ہے ہر حال مناسب یہ ہے کہ تو اس اشارے کو جان اور زندگی کے تقاضے کو پہچان۔''

یہ کلام سن کر ابن حبیب نے سر نیوڑ لیا اور دیر تک خیالوں میں غلطاں رہا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور یوں بولا۔ ''اے مرے یار غمگسار' تیرا مشورہ صائب ہے۔ پر تو نے یہ نہ بتایا کہ یادوں کے اس اثاثے کو جو میرا واحد اثاثہ ہے کہاں ٹھکانے لگاؤں۔ کاش کوئی ایسا مدفن ہوتا جہاں میں انہیں دفن کر سکتا۔ اے عبداللہ! عجب بات ہے کہ جب میں اس تیرے شہر میں وارد ہوا تھا تو میں بھی بکھرا ہوا تھا اور میری یادیں بھی تتر بتر تھیں۔ مجھے وہ شام خوب یاد ہے جب میں نے تیرے اس گرم تندور کے برابر بیٹھ کر اس شہر میں وارد ہونے کے بعد پہلی مرتبہ گرم روٹی کھائی تھی۔ جانے کون سے آٹے کی وہ روٹی تھی' وہ ذائقہ میری زبان پر آج بھی زندہ ہے۔ اس چھت کا میں احسان مند ہوں کہ اس کے نیچے بیٹھ کر اور اس تندور سے حرارت لے کر میں نے اپنے بکھرے وجود کو اپنی یادوں سمیت اکٹھا کیا اور عجب بات ہے کہ جتنا میں اس شہر میں رستا بستا گیا اتنی ہی یہ یادیں نمو پاتی گئیں تا آنکہ ایک پوری اقلیم بن گئیں جو میرے تصور میں تصور غرناطہ کے ساتھ پیوست ہے اور جس کے عین وسط میں ایک کھجوروں کے گچھوں سے لدا پھندا شجر کھڑا ہے اور ایک سیاہ بلی بیٹھی ہے۔ اب یہ دو جڑواں شہر ہیں مگر.....'' ابن حبیب نے تامل کیا۔ ''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ..... ابن حبیب پھر چپ ہو گیا۔

''اے ابن حبیب! تو رک کیوں گیا۔ کچھ بتا کہ کون سا خیال تجھے پریشان کر رہا ہے۔''

KitaabPoint.blogspot.com

ابن حبیب نے تامل کیا اور پھر یہ کلمہ زبان پر لایا کہ ''عبداللہ! میں یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ یہ تیرا شہر تو بہت مہربان شہر تھا۔ پالنے والے کی قسم میں نے اسے سمندر سے زیادہ وسیع القلب پایا تھا مگر اب اس نے مجھے ڈرانا کیوں شروع کر دیا ہے۔''

عبداللہ ابن حبیب کا منہ تکنے لگا۔ پھر تشویش بھرے لہجہ میں بولا۔ ''اے میرے یار! تو نے آخر کیا دیکھا کہ خوف کا کلمہ زبان پر لایا۔''

''میرے دوست! یہی بات تو مجھے زیادہ پریشان کر رہی ہے کہ میں نے واضح طور پر کچھ نہیں دیکھا' پھر بھی ایک ڈر میرے اندر باہر منڈلا رہا ہے۔ کبھی کبھی تو میں زیادہ ہی ڈر جاتا ہوں۔ پتہ نہیں یہ میرا محض وسوسہ ہے یا.....''

''یا..... کیا؟ دوست جو بھی تیرا وسوسہ ہے اسے بلا تامل واضح طور پر بیان کر۔''

''میرے عزیز' واضح طور پر میں تب بیان کروں جب خود مجھ پر کچھ واضح ہو۔ بس ایک اندیشہ سا میرے اندر پل رہا ہے۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے' کبھی شام پڑے کبھی رات گئے کہیں آس پاس کوئی پرندہ پھڑ پھڑایا ہے یا تیزی سے بازوؤں کی سنسناہٹ کے ساتھ میرے قریب سے گزر گیا ہے۔ اس کے پروں کی عجب نامبارک سی پھڑ پھڑاہٹ ہوتی ہے کہ میرے اندر ایک سنسنی دوڑ جاتی ہے۔''

دھاڑ سے دروازہ کھلا۔ سٹریچر اور پیچھے پیچھے مجو بھائی کہ عجلت میں تھے اور سٹریچر والے کو ہدایت دے رہے تھے۔ ساتھ والے دوسرے آدمی کو اور نرس کو بھی ہدایات جاری کیں۔ ہدایات کچھ میرے بارے میں احتیاطیں برتنے سے متعلق تھیں۔ میں جیسے کوئی سارا کا سارا بکھر گیا ہو۔ ہوں' مجھے کیا۔ مجو بھائی جانیں ان کا کام جانے' میں نے سوچا۔ اور میں نے پھر سے اپنے آپ کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ اچھا تو یہ اس وقت کی بات ہے' اس وقت کی جب غرناطہ کا امی جمی کا زمانہ گزر چکا تھا اور.....

''میاں احتیاط سے۔'' مجو بھائی کہہ رہے تھے۔ ''ویسے اپریشن تھیٹر کون سے فلور پر ہے۔'' کبھی ایک بات' کبھی دوسری بات۔ مجو بھائی بولے چلے جا رہے تھے۔ ادھر شاید سٹریچر والوں کو جلدی تھی کہ مجھے یہاں سے اٹھائیں' کمرے سے نکالیں اور جلدی سے آپریشن تھیٹر پہنچائیں۔ میں بہت پریشان ہوا' اس وجہ سے نہیں کہ مجھے بے آرامی ہو رہی تھی بلکہ اس وجہ سے کہ خیال کی روتتر بتر ہو گئی تھی۔ اس پہ میرے مزاج میں درہمی پیدا ہونی ہی تھی۔ یہ سوچ کر میں برہم تھا کہ اصل بات تک میں پہنچتے پہنچتے رہ گیا۔ ہوں۔ بس بال برابر کی کسر رہ گئی۔ جہاں اتنا کچھ یاد آیا تھا وہاں باقی بات بھی یاد آ جاتی اور پھر پتہ چل جاتا..... کیا پتہ چل جاتا..... میں چکنم میں پڑ گیا۔ مسئلہ کیا تھا' یہ کس تقریب سے میں اپنے ذہن کو کرید رہا تھا۔ اگر وقت یاد آ جائے تو باقی بات بھی..... کچھ ایسی ہی

KitaabPoint.blogspot.com

بات رفیق صاحب نے کی تھی۔ اصل میں' میں اس وقت یکسوئی کے ساتھ سوچ نہیں سکتا تھا۔ سٹریچر پہ جو لیٹا تھا۔ لگ رہا تھا کہ چھکڑے میں بیٹھا ہوں اور بیل دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ آپریشن تھیٹر کب آئے گا' کتنی دور ہے' کون سے فلور پر؟ جیسے سرنگ میں جا رہا ہوں۔ جیسے گاڑی کسی اندھیری سرنگ سے گزر رہی ہو اور سرنگ ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ گاڑی آخر رینگ کیوں رہی ہے۔ اندھیرے میں ایک آواز۔ ''چل پڑی' یہی شکر کرو۔'' دوسری آواز۔ ''پچھلی سپیشل یہیں کٹی تھی۔ یہاں سے کسی طرح سے نکل جائیں'' ..... ''پھر تو گاڑی کو تیزی سے یہاں سے نکلنا چاہئے مگر وہ چیونٹی کی چال چل رہی ہے۔'' گاڑی واقعی رینگ رہی ہے اور کس طرح سے چل رہی ہے جیسے میں سٹریچر پہ لیٹا ہوں.....

اچھا میں زندہ ہوں۔ حیرت' ساتھ میں کسی قدر بے یقینی! کہیں بہت دور سے وہ میٹھی آواز آئے چلی جا رہی تھی۔ میری بے یقینی پر مسلسل یلغار کر رہی تھی۔ کوئل کی آواز بھی ایک طلسم ہوتی ہے۔ خود کوئل تو جیسے اور پرندے ویسے وہ ایک پرندہ! کوئی ایسا حسین پرندہ بھی نہیں ہوتا۔ کوے کی طرح بالکل کالی۔ کوئل ساری کی ساری اپنی آواز میں ہوتی ہے مگر یہ آواز آ کہاں سے رہی ہے۔ کتنی دیر تک یہ بات مطلق میری سمجھ میں نہ آئی کہ قریب یا دور کوئی درخت ہوگا جس کی ٹہنیوں میں چھپی بیٹھی ہوگی۔ لگتا تھا کہ خوابوں کی کسی اقلیم سے آواز آ رہی ہے۔ تب ہی تو پوری طرح یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ میں ہوں جو اپنے زندہ وجود اور احساس سماعت کے ساتھ یہ آواز سن رہا ہوں۔ ویسے بھی ابھی میں کم از کم آدھا سویا ہوا تھا مگر پھر بہت قریب سے بس جیسے میرے سرہانے کوئی پرندہ بہت عجلت میں اپنی تیز آواز میں چہچہاتا۔ ایک دم سے میں نے آنکھیں کھولیں اور تھوڑا کروٹ لے کر اپنے سرہانے نظر ڈالی۔ پہلی مرتبہ مجھے پتہ چلا تھا۔ کہ شیشے کے دریچے کے ادھر ایک ہرا بھرا درخت کھڑا ہے۔ اسی کے بیچ سے پرندہ بولا تھا۔ پھر کتنی ہی چڑیوں نے مل کر چہچہانا شروع کر دیا۔ اچھا تو صبح ہوگئی ہے۔ اور یہ کہ میں زندہ ہوں یا ہو گیا ہوں۔ ایک خوشی کی روپہلی کی سی تیزی کے ساتھ میرے اندر پھیلتی چلی گئی۔ کتنی مسرت بھری حیرت کے ساتھ میں نے اس ہرے بھرے درخت کو جس حد تک لیٹے لیٹے دریچے کے پیچھے سے دیکھ سکتا تھا' دیکھا۔ میری متجسس نظریں ٹہنیوں کے بیچ اس پرندے کو ڈھونڈ رہی تھیں جس نے چہک کر مجھے آدھے سونے آدھے جاگنے والی کیفیت سے نکالا تھا اور میرے جی اٹھنے کی نوید مجھے سنائی تھی۔ مگر وہ نظر ہی نہیں آیا۔ ہاں گھڑی دو گھڑی بعد بازوؤں کے پھڑ پھڑانے کی آواز آئی اور وہ چہکار معدوم ہوگئی۔ شاید میرا تجسس اسے بھایا نہیں۔ بہر حال اس نے اپنا فریضہ ادا کر دیا تھا۔ جیسے اب اسے یہاں کوئی کام نہ ہو۔ سو اڑ گیا۔

دروازہ کھلا۔ اور دروازے کے کھلتے ہی ایک اجلا چہرہ نمودار ہوا۔ اجلا چہرہ سفید گاؤن کے ساتھ۔ کمرے میں اجالا پھیل گیا واقعی